''ہندو کلچر کے روحانی عناصر'' کا تجزیاتی مطالعہ

نوشین صفدر

ABSTRACT:

Dr Daud Rahber (1926 - 5 Oct 2013) was a scholar of comparative religions, Arabic, Persian, Urdu literature and Indian classic music. Rahber is regarded as accomplished essayist, poet, composer, translator, philospher, contributer to inter-civilization dialogue, musicologist, drummer, singer and guitarist.. After teaching career in England , Canada, Turkey and The United States, he retired as a Professor Emeritus of comparative religions from Boston University in 1991. In his book " Kalchar kay Ruhani Anasir " he has explained in his own way the world's major religions and cultures. He seems tolerant of all faiths because he knows the essence of them all."

ممتاز ادیب و شاعر ڈاکٹر داؤد رہبر نے قرآن، بائبل، مختلف ملتوں کے اساطیر، تاریخ، تمدن، فنون لطیفہ، ہندوستانی کلاسیکی موسیقی، ادبیاتِ مشرق اور ادبیاتِ مغرب، سب میدانوں میں کام کیا ہے۔ وہ اپنے عہد کی انتہائی مصروف اور متنوع شخصیت ہیں۔

انسانی تاریخ کے فکری و ثقافتی روپ کے اظہار کے ساتھ ساتھ قدیم وجدید فکر کا امتیاز اُن کی تحریر کا جوہر خاص ہے۔ اُن کی کتاب **کلچر کے روحانی عناصر** زندگی کے اُلجھے ہوئے مسائل کو سلجھاتی ہے اور ذہن کے بند دریچوں کو کھول کر تہذیب و تمدن اور ثقافت کا ایک نیا شعور پیدا کرتی ہے۔ بقول ڈاکٹر جمیل جالبی:

> ''ان صفحات میں ساری انسانی تاریخ کا فکری و ثقافتی روپ اس طور پر سمٹ آیا ہے کہ آپ کا ذہن نئے خیالات، نئے احساس اور نئے شعور سے جگمگانے لگتا ہے اور یوں محسوس ہوتا ہے کہ آپ زندگی کی تپتی اور جھلسا دینے والی دھوپ میں ٹھنڈے پانی سے غسل کر کے تازہ دم ہو گئے

ہیں۔ ان صفحات کو پڑھ کر یہ بات بھی سامنے آئے گی کہ کس طرح عقائد، افکار ونظریات کلچر بن کر آپ کی زندگی بن جاتے ہیں۔''(۱)

بقول انتظار حسین:

"Dr. Daud Rahbar is primarily known to us as a scholar specializing in the study of religions and Cultures. His book "Culture ke Ruhani Anasar", may be regarded as his representative work in this respect. Here he is seen tracing the spiritual elements in Hindu, Muslim, Christian and Buddhist cultures. (2)

اسی ضمن میں خالد احمد کی رائے دیکھئے:

"I had read his series "Culture Kay Ruhani Anasar" in Jamil Jalibi's journal, "Naya Daur", and was convinced that this was the best I had read in Urdu." (3)

ڈاکٹر داؤد رہبر ہندو تہذیب، چینی تہذیب، مسیحی تہذیب اور اسلامی تہذیب کے تقابلی مطالعے اور پھر اُن کا اظہار ایسے کرتے ہیں کہ علم اور فلسفہ سے ہماری غیریت ختم ہو جاتی ہے نیز اپنی ملت کے ساتھ ساتھ دوسری ملتوں کے روحانی ورثوں سے بھی واقفیت حاصل ہوتی ہے۔

داؤد رہبر لکھتے ہیں:

''دوسری ملتوں اور قوموں کے روحانی ورثوں کی واقفیت سے اپنی روحانی میراث کی انفرادیت کا پتہ ملتا ہے۔ اِن مضامین میں موازنہ نہیں، تناظر مدنظر ہے، زندگی میں گروہوں کا آمنا سامنا ہے تو ان کی روحانیتوں کو آمنے سامنے رکھ کے دیکھنا فائدہ سے خالی نہ ہوگا۔''(۴)

جہاں تک مختلف تہذیبوں کے رُوحانی عناصر کے مطالعہ کا تعلق ہے یہ اس لیے بھی ضروری ہے کہ جسمانی بھوک پیاس کے ساتھ ساتھ ہم سب کو رُوحانی بھوک پیاس بھی لگی ہوئی ہے۔ خوردونوش کے کچھ سامان جسمانی ہیں کچھ روحانی، زندہ دلی کے لیے ہمارے چاروں طرف رُوحدار موجودات کا جادو کام کیے جاتا ہے۔ خلا کو دیکھ کے کہیں گے کہ آخر خلا ہی تو ہے لیکن غور کریں تو خلا ایک روحدار لطافت ہے، خلا پُر ہونے کے انتظار میں رہتا ہے۔ ایک خالی جام کا خلا شربت یا شراب کا منتظر ہے، نیلا آسمان خلائے بے کنار ہی کا تو نام ہے، اس خلا میں پرندے یہاں اور سیارے وہاں اُڑتے پھرتے ہیں، ہمارے سر کے اوپر یہ خلائے بے کنار ایک رحمت بن کر موجود ہے، باوجود بے انتہا ہونے کے بوجھل نہیں، اس سبک لطافت کے کیا کہنے، ہمارے شعور کی سرگوشی یہ ہے کہ خلا گنجائش کا نام ہے اور خلا کا نہ ہونا تنگی۔

ڈاکٹر داؤد رہبر کے الفاظ میں:

''جسمانی غذا کے لیے ہم ناشپاتی درخت سے توڑ کر کھائیں گے، پیاس بجھانے کو تربوز کا رس نچوڑ کر پییں گے، سانس لینے کو ہوا پھانکیں گے، رُوحانی غذا ہم کو پالتو بلی کی خرخر سے ملے گی یا لہلہاتی ہوئی گھاس کے منظر سے، رنگ، خوشبو، آسمان، اُفق، شفق، ستارہ، سبزہ، درخت، جانور، پتھر، مٹی، صحرا، پہاڑ، ندی، چشمہ، چاند، سورج، جھونکا، پھول، پھل، اناج، عمارت، نغمہ، حرف، شعر، خیال، تصور، شعلہ، بارش، بجلی، بادل، گرمی، سردی، آواز، سمندر، خاموشی، ذائقہ، نشہ یہ سب رُوحدار موجودات ہیں، ان کے وجود سے ہماری تھکن دور ہوتی ہے، درخت کا منظر ہمارے دل کی ٹھنڈک ہے، اُڑتی ہوئی چڑیا کو دیکھ کر ہمارا باطن مسکراتا ہے، قیس عامری مجنوں نہ ہوتا اگر دشت نہ ہوتا، سند باد کے جہازی ہونے کے لیے سمندر لازم ہوا۔''(۵)

مذکورہ بالا کتاب میں شامل مضمون ''ہندو کلچر کے رُوحانی عناصر'' کو پڑھیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ ہندو کلچر کی بنیاد برصغیر میں پڑی۔ برصغیر کی اصطلاح اُس علاقے کے لیے استعمال ہوتی ہے جو ہندی پرت پر قائم ہے جس کے شمال میں یورشین پرت ہے۔ جب کہ سیاسی اصطلاح کے طور پر یہ نام برصغیر کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اس میں ہندی پرت کے باہر کے علاقے بھی شامل کیے جاتے ہیں۔ خصوصاً افغانستان جس کے اپنے پڑوسی ملک پاکستان کے ساتھ سیاسی، سماجی ونسلی (پشتون) طور پر قدیم تعلقات ہیں۔ جب کہ پاکستان میں دریائے سندھ کے مغرب میں واقع علاقے تاریخی وجوہات کی بنا پر کبھی کبھار وسط ایشیا میں شمار کیے جاتے ہیں جس کی ایک مثال بلوچستان ہے جو ہندی پرت پر قائم نہیں بلکہ سطح مرتفع ایران کے کناروں پر واقع ہے۔

چوں کہ جنوبی ایشیا تاریخ میں ہمیشہ بیرونی حملہ آوروں کی زد میں رہا ہے اس لیے یہاں کی ثقافت بھی مختلف قوموں کے ملاپ سے بنی ہے۔ تاہم اکثریت ہندومت اور اسلام پر ایمان رکھتی ہے۔ اس لیے جنوبی ایشیائی ثقافت پر دونوں مذاہب کی گہری چھاپ ہے۔

ڈاکٹر داؤد رہبر نے اپنی کتاب **کلچر کے روحانی عناصر** میں ہندومت کے کلچر یا ثقافت کا جو تجزیاتی مطالعہ کیا ہے اُس پر روشنی ڈالنے سے پہلے ضروری ہے کہ لفظ 'ہندو' کی لغوی توضیح کو دیکھ لیا جائے۔ ہندی لغت میں ہندو کے معنی 'چور' اور 'کالے رنگ والا' کے بیان ہوئے ہیں۔

ڈاکٹر محمد یسین لکھتے ہیں:

''اہل فارس نے جب وادی سندھ کے ایک علاقے پر قبضہ کیا تو وہ سندھ کو ہند کہہ کر پکارنے لگے۔ کیوں کہ قدیم ایرانی زبان پہلوی اور سنسکرت دونوں میں حرف 'س' کو حرف 'ہ' سے بدل لیا جاتا تھا تاہم فرانسیسی زبان میں یہ 'ہند' سے 'انڈ' ہوا اور پھر کثرت استعمال سے انڈیا مشہور ہو گیا ہے۔''(۶)

انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا میں لکھا ہے:

"The term Hindusim refers to the Civilization of the

Hindus (Originally, the inhabitants of the land of the Indus River) Introduced 1830 by English writers. It properly denotes the Indian Civilization of apporoximately the last 2,000 years which evolved from Vedism. The religion of the Indo-European people who settled in India in the last centuries of the 2nd millenium BC. Hindusism has religious, social, economic, literacy and artistic aspects. As a religion, Hinduism is a congomerate of doctrines, cults and ways of life" (7)

ڈاکٹر داؤد رہبر کے 'ہندومت کی ثقافت کے تجزیاتی مطالعے' کے ڈانڈے ہندومت کے بالخصوص ان نظریات سے ملتے نظر آتے ہیں جو مابعد الطبیعیاتی عناصر پر مشتمل ہیں اور مجرد و غیرمرئی مفروضات و قیاسئہ موجودات سے علاقہ رکھتے ہیں۔ ہندومت کے ثقافتی اثاثہ جات جو روحانیت سے متعلق ہیں تکثر واہمسائیت سے مستخرج کیے گئے ہیں۔

ڈاکٹر داؤد رہبر نے اس مضمون میں ہندومت کے الجھے ہوئے ثقافتی عناصر کو کسی حد تک حدِ اعتدال پر پڑے متمول اور متمتع طریقے سے پیش کرنے کی کوشش کی ہے اور زندگی کے بعض گنجلک مسائل پر خاطر خواہ ضیا پاشی کی ہے۔

ڈاکٹر داؤد رہبر کے مطابق کلچر کی تعریف مختلف الجہات ہے۔ بالکل اُسی طرح جس طرح خود ثقافت متنوع اور متمتع ہوتی ہے۔ جڑی بوٹی کو اکھاڑ کر اس جگہ کھیت، پھلوں کے باغ یا پھولوں کی کیاری بنانا ثقافت ہے۔ پھل یا پھول کو پیوند کرنا، اون اور روئی کے دھاگوں سے کپڑا بننا اور اس کا لباس بنانا، دودھ سے دہی، مکھن اور پنیر بنانا، دھات سے زیور بنانا، مٹی کو پکا کر برتن بنانا، سڑک تیار کرنا۔ یہ تمام باتیں ثقافت کے زمرے میں آتی ہیں۔

کلچر کی بحث بہت دقیق اور پہلودار ہے لیکن یہاں ہم اس عوامی سطح پر سمجھنے کے لیے کہہ سکتے ہیں کہ کلچر انسان کی اُس خصوصیت کا نام ہے جو اس کی فن و ادب اور فلسفہ اور دانش وارانہ تخلیقات سے دل چسپی اور ان کے احترام سے پیدا ہوتی ہے۔ بقول اور یا مقبول جان:

> ''کلچر کی تمام تعریفوں میں ایک بات مشترک ہے کہ یہ ایک Complex Whole ہے یعنی ایک قوم یا معاشرے کی ثقافت میں اس کی زبان، رہن سہن، کھانا پینا، اخلاقیات، مذہبی روسومات، پہناوا، شادی بیاہ، موت، رقص، موسیقی، جنگ و جدال، دوستی و دشمنی غرض ہر وہ چیز شامل ہوتی ہے جو اُس قوم کے لیے خاص ہوتی ہے۔'' (۸)

مندرجہ بالا مندرجات میں حیات اور ممات اور عدم و وجود کے جبلی احساس میں خیال اور تصور کے مالے ڈالنا بھی ثقافت میں شامل ہے۔ کتاب کے دیباچے میں ڈاکٹر جمیل جالبی ثقافت کا اخلاقیات سے تعلق واضح کرتے

ہوئے لکھتے ہیں:

''اخلاقیات کا کلچر سے کیا تعلق ہے، اس کا جائزہ لیتے ہوئے یہ دیکھنا چاہیے کہ دین کا استعمال خلائق کی راحت کا موجب ہے یا ان کے آزاد کا حربہ۔ دین کے مسائل کو فتنہ پردازی کے لیے استعمال کیا جائے یا کینہ، نفرت اور شرارت کے لیے استعمال کیا جائے، وہ دین کی انتہائی بے حرمتی ہے۔ گوتم بدھ، یسوع، محمدؐ اور لاؤتزو یہ چاروں اپنے معاصرین کی منافقت سے دلبرداشتہ ہوئے۔ فہم کا الجھاؤ، منافقت اور مکر، یہ حالتیں ہر معاشرے پر اکثر آتی ہیں۔ فقہ کی طفلانہ و غیر منطقیانہ موشگافیوں سے عقائد جب پیچ در پیچ ہو جاتے ہیں تو یہ حالتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔'' (۹)

مندرجہ بالا اقتباس سے یہ بات اظہر من الشّمس ہے کہ ڈاکٹر جمیل جالبی بھی ڈاکٹر داؤد رہبر کی طرح ثقافت کا تعلق اخلاقیات سے لازم و ملزوم کی سطح پر قائم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ نیز یہ کہ مذہبی اخلاقیات اگر بنی نوع انسان کی راحت افروزی کی بجائے آزاری کا حربہ بن جائیں تو ذکات الذوات کی حیثیت اختیار کر جاتے ہیں۔ اخلاقیات کے انہی باعثِ آزار حربوں سے منافقت اور مکروفریب جیسی حالتیں معاشرتی راحت کو دیمک کی طرح چاٹ کھاتی ہیں تبھی تو گذشتہ سب زمانوں میں آئینِ دہر بدلتے رہے بقول آنند نرائن مُلاؔ:

دیر تک رہتی نہیں اک جام میں صہبائے زیست
اس میں وہ تُندی ہے پیمانے پگھلتے ہی رہے
حرفِ آخر بن کے اترا ہر نیا آئینِ دہر
پھر بھی بابِ زیست کے عنوان بدلتے ہی رہے

اس مضمون میں ڈاکٹر داؤد رہبر ہندومت کے روحانی کلچر کا خلاصہ ان تعلیمات کی روشنی میں بتاتے ہیں کہ چوں کہ ہندومت کا بانی کوئی بزرگ یا پیامبر نہیں تھا بلکہ ۴ ہزار یا ۵ ہزار قبل از مسیح میں قرین قیاس یہی ہے کہ وسطی ایشیا سے آریائی قبائلی یہاں حملہ آور ہوئے اور ان کی فتح ہند ہی دراصل ہندومت کی بنیادوں کا باعث بنی۔ وہ لکھتے ہیں:

''یاد رہے کہ ہندومت کا بانی کوئی بزرگ نہیں بلکہ آریاؤں کی فتح ہند ہی کو اس کا بانی کہنا چاہیے۔ جس مت کا بانی کوئی انسانی شخصیت نہ ہو اس کا مزاج جکڑا ہوا نہ ہوگا یعنی اس میں لچک ہوگی، جہاں کوئی بانی بزرگ ہو اُس بزرگ کی شخصیت کی چھاپ اُس کے پیش کئے ہوئے مت پر ضرور ہوگی۔'' (۱۰)

ڈاکٹر داؤد رہبر کے خیال میں یہ بھی ایک مسلم امر ہے کہ جس دھرم کا بانی کوئی بزرگ یا انسانی شخصیت نہ ہو، اس دھرم کے مزاج میں لچک ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر مہاتما گوتم بدھ کو ازدواج راس نہ آیا اور وہ بیوی بچوں کو چھوڑ کر نکل بھاگے، بعینہٖ آپؐ از روئے سیرت گانے بجانے کے اشغال سے دور رہے، اس کا اثر یہ ہوا کہ مسلمانوں

نے متجاوز ہو کر موسیقی کو لہو و لہب قرار دیا اور اسے جوں توں کر کے رندی سے مربوط کر دیا۔ جب کہ ہندومت میں کسی بانی کے نہ ہونے کی وجہ سے اور بدھ مت اور دیگر مذاہب کا اثر ہونے کی وجہ سے اس کے مزاج کی تشکیل بھی علیحدہ پیمانوں پر ہوئی ہے۔ لہٰذا ہندی ثقافتی نظام میں لوچ لچک کی بہتات ہے جو اس کی خاصیت نفسی ہے اور آریاؤں کی فتح ہے۔ چونکہ ہندومت کا تبلغ ہوا لہٰذا ہندوشعور میں ازم کی گونج ہمیشہ رہی ہے نیز ویدانتی لوگوں کو ہمیشہ خدا کی موجودگی کا احساس رہا ہے۔ ہندومت کی پہچان و جان کاری کے سلسلے میں مظہر الدین صدیقی کا تبصرہ نہایت پر مغز جامع مدلل، مستدرک اور حرف آخر ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

> ''ہندو مذہب کا بانی کوئی ایک فرد نہیں۔ زرتشت، موسیٰ اور عیسیٰ کی مانند ہمیں کوئی ایسی شخصیت نہیں ملتی جس کو ہندوؤں کا رہنما قرار دیا جا سکے یا جس کو اس مذہبی نظام میں مرکزی حیثیت حاصل ہو۔ اس طرح ہندوؤں کی مذہبی کتابوں کو بھی کسی ایک شخصیت کی جانب منسوب نہیں کیا جا سکتا۔ زمانہ مابعد میں بعض ممتاز مذہبی اشخاص منظر عام پر آئے لیکن ہندومذہب کے ابتدائی مدارج پر لاشخصیت کا ٹھپہ لگا ہوا ہے چوں کہ ہندوؤں کے مذہبی نظام کی تشکیل میں لاتعداد اشخاص شامل ہیں اس لیے اس میں کوئی واحد عقیدہ، مذہبی قانون یا رسوم و شعائر کی کوئی یکسانیت نہیں ملتی۔'' (۱۱)

ڈاکٹر داؤد رہبر کے مطابق آریائی تیغ زنی اور مہاتمائی اہمسا نے مل کر ایک مخلوط شعور پیدا کیا جو بیک وقت جارحانہ بھی ہے اور عاجزانہ بھی۔ آریا فاتحین کے اشاروں پر شاعروں نے سنسکرت میں اشلوک تصنیف کیے جن کے مجموعے وید کہلائے۔ ہندو اسی ویدک زمانے کو اپنا سنگ بنیاد سمجھتے ہوئے انہی ویدک رشیوں کو اپنے رُوحانی پیشوا مانتے ہیں۔

> '' ہندو مذہب کا جوہر اس تاکید میں مضمر ہے کہ رُوحانی تجربہ ایک حقیقی شے ہے اور ہم اس حقیقت سے روح کی گہرائیوں میں دو چار ہوتے ہیں۔ ہندودھرم اپنے آغاز تاریخ سے اب تک مذہب کے اسی داخلی اور خارجی یا آزمائشی پہلو پر اصرار کرتا رہا ہے۔ ہندو جب ویدک زمانہ کو اپنا سنگِ بنیاد قرار دیتے ہیں تو ان کا مطلب صرف یہی ہوتا ہے کہ ویدک رشی ان کے رُوحانی پیشوا تھے۔ جنہوں نے رُوحانی مملکت میں سب سے پہلے تحقیق کی۔'' (۱۲)

ڈاکٹر داؤد رہبر کے بیان کے مطابق جن دنوں اشلوک تصنیف ہو رہے تھے ان دنوں فاتحین کا انداز جلالی تھا۔ لہٰذا اشلوکوں کا مزاج بھی طنطنہ یعنی رزمیہ تشکیل پایا۔ آج بھی برہمن وہی بھجن انہی قدیم سروں میں، رزمیہ اور فاتحانہ انداز میں گانے پر بضد ہے مگر آج کی جدید معاشرتی فضا میں یہ رزمیہ لہجہ ایک ناٹک کی آواز ہو کر رہ گیا ہے۔

ہندومت کے ثقافتی نظام کی بنیاد زیادہ تر داستانوی عناصر میں مشتمل ہے جن میں کرشن مہاراج، رگھوپتی راجا چندر جی، مہادیو، مہالکشمی، مہاپاربتی اور مہاسرسوتی تو متقدم اور متاخر پرانوں کے عہد مقدس کی کتب اُپنشد سے

چلی آتی ہیں اور ان میں ہندوؤں کا علم الکلام محفوظ ہو گیا جس کا رجحان توحید اور وحدت الوجود کی طرف ہے جب کہ ویدوں اور پرُانوں کی الٰہیات جو ہیں وہ تکثیر کی الہیمات ہیں۔ تاہم یہاں ایک اور بات زیرِ بحث آتی ہے کہ بعض مورخین ' پُران' کو ہندوؤں کی قدیم کتب خیال کرتے ہیں جن میں وید کے مسائل کو دلائل تمثیلی قصے کہانیوں کی صورت میں تحریر کیا گیا ہے۔ان کی تعداد بہت زیادہ ہے لیکن اٹھارہ 'پُران' زیادہ مشہور ہیں۔ ان میں سے اکثر 'پُران' مشہور ہندو شاعر ویاس جی اور ان کے شاگردوں کی تخلیق ہیں۔ بقول پروفیسر لیاقت عظیم:

> ''بعض مورخین کا خیال ہے کہ 'پرُان' ویدوں سے قدیم ہیں کیونکہ ان کا تذکرہ ویدوں میں پایا جاتا ہے۔ بعضوں کا کہنا ہے کہ ''پُران'' ویدوں سے اخذ کیے گئے ہیں۔ یہ ویاس جی کے علاوہ مختلف گویوں اور رشیوں کی تخلیق ہیں۔ ان میں امتداد زمانہ کے ساتھ ساتھ ترمیم و اضافہ ہوتا رہا ہے۔ بعض پرُانوں میں سولھویں صدی عیسوی کے حالات ونظریات اور واقعات کا پرتو پایا جاتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ بعض پرُان مذکورہ صدی عیسوی کے دوران مرتب و مدون ہوئے۔'' (۱۳)

ان ویدوں اور پُرانوں کی رُوحانیت میں وحدت کی بجائے کثرت کی طرف رجحان و مراجعت ہے کیوں کہ ان میں دیویوں اور دیوتاؤں کا تعدد وتکثر ہے۔

بقول ڈاکٹر داؤد رہبر:

> ''آج کل ہندوؤں میں پوجا زیادہ تر گنگا، اُگنی، سوریا (سورج) برہما اور اس کی بی بی سرسوتی، وشنو اور اس کی بی بی لکشمی اور وشنو اور اس کی بی بی پاربتی کی ہوتی ہے (دُرگا اور کالی دیوی بھی پاربتی کے روپ ہیں) حالاں کہ مقدس ویدوں میں کئی اور دیوتاؤں کا ذکر ہے، تو کیا گویا یہ باقی دیوتا باطل قرار پا کر مردود ہوئے؟ نہیں، ایسا نہیں ہے، ان میں سے بعض دیوتا طاق نسیان کی زینت ہیں اور بعض ایسے ہیں کہ بھلائے نہیں گئے لیکن روز روز ان کی پوجا نہیں ہوتی۔'' (۱۴)

ہندو عقیدے کے مطابق ابتدائے آفرینشن سے قبل فقط نرگنی برہمن یعنی منزہ عن الصفات اُلوہیت کا وجود تھا اور اب تک ہے۔ اس منزہ عن الصفات اُلوہیت کے لیے ہندومت میں لفظ 'تت' مستعمل ہے جو ازلی و ابدی واحد، یکتا اور تکثیر سے ماورا ہے گویا 'تت' ہندومت میں لفظ توحید کا محاورہ ہے اور لاشعور کا سمندر ہے۔ یہ قدرت بالفضل نہیں بلکہ قدرت بالقوۃ ہے۔ ہندومت میں عالم شعور اور جادوگری کے کھیل اور منزہ عن الصفات اُلوہیت کی سحر طرازی ہے اور تکثیر کے حساب سے جتنے بھی خدا اور دیویاں ہیں سب عالم شعور یعنی عالم خیال کے قریب ہیں۔ بقول غالب:

ہستی کے مت فریب میں آ جائیو، اسد
عالم تمام حلقۂ دامِ خیال ہے

عالم شعور کو ہندومت میں مہامایا کہا گیا ہے اور سبھی دیوتاؤں اور دیویوں کو جو نمائندگان اصول تکثیر اُلوہیت ہیں ، ایسی مہامایا نے تخلیق کیا ہے جس کا مقصد فعالیت کبریٰ ہے۔شعور یا مہامایا کی تین اٹل صفات ہیں یعنی : سچ، جوش اور حماقت ۔سب دیویاں اور دیوتا انہی صفات ثلاثہ کے حاملین ہیں اور فانی ہیں۔یعنی دیوتا اور دیویاں لمبی عمریں پا کر بھی مر جاتے ہیں اور ان کو دوام یا ہمیشگی نہیں حاصل ۔گویا لافانی ذات صرف اور صرف 'تت' کی ہے یعنی وہی منزہ عن الصفات وحدت الوہیت جسے خدائے واحد یا خدائے لم یزل کہتے ہیں اسی لیے جہاں 'تت' ہے وہاں تکثیری الوہیت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور جہاں تکثیریت مقبول ہو جائے تو وہاں مقدس بنائی گئی من گھڑت لوک کہانیاں پھلتی پھولتی ہیں اور تدین میں سنجیدگی کے ساتھ ساتھ تفنن بھی مدخول ہو جاتا ہے اور ہندوؤں کے ہاں تکثیری الہیات کی تماثیل کا کوئی شمار نہیں ہے اور اُلوہیت مہامایا یعنی عالم شعور میں اپنی جگہ ایک انجمن ہے جس میں دیویاں اور دیوتا عالم بالا کی ایک بستی بسا کر رہتے ہیں۔اس کے برعکس جدید خیال راجا رام موہن رائے جنہوں نے برہما سماج کی بنیاد بھی رکھی اور رابندر ناتھ ٹیگور کے باپ ،دونوں نے اس بات کی تبلیغ کی کہ 'تت' ہی صحیح ہندومت کا خدا ہے اور یہ کہ اصنام پرستی اور دیومالا ہندوعوام کے اوہام کی پیداوار ہیں مگر یہ پنڈتانی توحید زیادہ زور نہ پکڑ سکی کیونکہ تین ہزار سال کی دیو مالا کو مٹا کے رکھ دینا کوئی آسان کھیل نہیں تھا۔ ہندو دھرم میں توحید کے سب سے بڑے مبلغ اور شارح شنکر اچاریہ نے بھی آج سے تیرہ سو سال قبل یہ برملا کہہ دیا تھا کہ 'تت' کی پوجا نہیں بلکہ اس کا صرف باطنی وجدان کی سطح پر عرفانی حسیات کے ساتھ عالم محسوسات میں محسوس کیا جا سکتا ہے۔گویا شنکر اچاریہ کے ہاں جو تت کا موحدانہ نظریہ تشکیل پایا اس میں وحدت الوجودیت کا تڑکا لگا ہوا تھا اور دیومالا کی حوصلہ شکنی کا سامان بھی موجود تھا۔ اسی طرح اٹھارھویں صدی عیسوی کا سبق یہی تھا کہ تکثیری الٰہیات یعنی دیوی ، دیوتاؤں کی پوجا کے چکر سے نکل آ ؤ اور 'تت' کے عرفان کے حصول میں تگ و دو کرو جس کے لیے گیان دھیان کی راہ کا انتخاب کیا گیا۔مگر چونکہ یہ برہما سوسائٹی بھی ہندوعوام کے دیومالائی مزاج کی سوسائٹی نہیں تھی لہٰذا عوام میں مقبولیت حاصل کرنے میں ناکام رہی۔

ان تعلیمات کے علاوہ ہندومت کے جن ثقافتی نظریات کو ڈاکٹر داؤد رہبر نے اپنی تحریر میں سمونے کی کوشش کی ہے ان میں گوشت خوری وغیرہ کے مسائل بھی شامل ہیں۔ ڈاکٹر داؤد رہبر کے مطابق جدید دور کے صنعتی طرز کے معاشرے میں ہندومت کے ثقافتی عناصر بھی منتشر العمل اور مشروک العمل قرار پائے ہیں۔ جیسے جدید تعلیم سے آراستہ ہندوؤں نے اب گوشت خوری بھی شروع کر دی ہے اور مزید برآں ذات پات کا نظام تو ہندوؤں کے جدید تعلیم سے مرصع سماج میں مکمل دم توڑتا ہوا نظر آتا ہے ۔اسی طرح بنگال میں کالی دیوی کے سامنے بکری یا بکرے کی بھینٹ کی رسم عام ہے۔قربانی کے ان بکروں کا گوشت پکایا جاتا ہے اور اس کو پرشاد کہہ کر برہمن تک کھا جاتے ہیں۔اس طرح بنگالی ہندومچھلی کھانے کے رزمیاں ہیں۔ بھگوت گیتا یعنی بھگوان گیتا ہندو اخلاقیات ، روحانیت اور الہیات کا بہترین خلاصہ ہے۔مہا بھارت ایک المیہ ہے اور رزمیہ بھی ہے۔اس رزمیہ کا انجام یہ ہے کہ پانڈو بھائی جو کر یمانہ راج نیتی کے علم بردار ہیں سب مارے جاتے ہیں۔ان کی ماں رانی کنتی گوار کشتر سے رخصت ہوتے ہوئے کرشن کو الوداع کہتی ہے اور کرشن سے اس کی جو گفتگو ہوتی ہے وہ بھی بھگوت گیتا کی طرح ایک پوری کتاب

میں سمائی ہوئی ہے۔اس طرح سرسوتی دیوی جو برہما دیوتا کی بی بی ہے،اس کا بھی بڑا مرتبہ ہے۔

ڈاکٹر داؤد رہبر کے مطابق ہندو تناسخ کے عقیدے کے قائل ہیں۔اگر چہ وہ نجات کے بارے میں انتے فکر مند نہیں لیکن بہرحال تناسخ کا عقیدہ اُن پر گہرا اثر رکھتا ہے۔ابوریحان البیرونی کے بقول:

> ''جس طرح کلمہء اخلاص (لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ) مسلمانوں کے ایمان کا شعار، تثلیث عیسائیوں کی علامت اور سبت منانا یہودیوں کی خصوصیت ہے، اس طرح تناسخ (کا عقیدہ) ہندو مذہب کا امتیاز ہے جو شخص تناسخ کا قائل نہیں ہے وہ ہندو نہیں ہے اور اس کا شمار ہندوؤں میں نہیں ہوسکتا۔'' (۱۵)

ہندوؤں کا یہ عقیدہ ہے کہ کائنات سرسوتی کے بطن سے پیدا کی گئی ہے۔سرسوتی سنسکرت رسم الخط کی مُوجد اور خازنہ بھی ہے۔اسی وجہ سے ودیا مندروں یعنی درس گاہوں کے دروازے پر اس کی حمد کے کتبے نصب جاتے ہیں اس کے برعکس پاربتی ان دیویوں سے مختلف ہے کیونکہ یہ شو کی جی جی ہے۔ ہندو کلچر میں سانپ کو سادھوا پنا گورو مانتے ہیں کیوں کہ یہ کسی مخصوص بل کو اپنا گھر نہیں بناتا، جا بجا آوارہ رینگتا پھرتا ہے اور جو سوراخ مل جائے اس میں گھس رین بسیرا کرتا ہے، سادھوؤں کا شیوہ بھی اسی طرح آزاد ہے۔ ناگ ہندو رُوحانی تخیل میں رودِ ہستی کی علامت ہے۔ ناگ کی ایک اور گہری معنویت یہ ہے کہ 'تت' (لاشعور) اور اِدم (شعور) کے درمیان جو پُراسرار رشتہ ہے اس کا اشارہ بھی ناگ کی علامت میں ملتا ہے۔ ناگ جب کنڈلی مارے بلاحرکت بیٹھا ہوتو یہ 'تت' ہے اور جب اس کو حرکت ہوتو یہ اِدم ہے۔اسی طرح ہندو کلچر میں عقاب سورج کی علامت ہے اور سانپ دریا کی علامت کے طور پر مستعمل ہے۔جس طرح سورج کی کرنیں دریا کے پانی پر جھپٹتی ہیں، بعنیہ عقاب سانپ پر جھپٹتا ہے اور سورج کی حدت دریا کے پانی کو اڑا کر اسے بخارات میں تبدیل کر کے لے جاتی ہے۔ بالکل اسی طرح جس طرح عقاب سانپ کو اڑا کر ہوا میں لے جاتا ہے۔گویا سانپ اور عقاب ہندو لوک پچار میں واردات ہستی کی علامتیں قرار پائیں۔

ہندو کلچر کا ایک نظریہ، یہ بھی ہے کہ دنیا بھر میں جو مقامات مقدسہ ہیں وہ فقط ہندوستان ہی میں ہیں۔ جیسے گنگا، جمنا، برہم پتر اور بھاگیرتی جو بالآخر گنگا ہی سے آ کرملتی ہیں، اپنی اپنی حیثیت سے مقدس ندیاں ہیں۔ بقول ڈاکٹر داؤد رہبر:

> ''جمنا اور برہم پتر اور بھاگیرتی جو گنگا سے آ ملتی ہیں، اپنی اپنی حیثیت سے مقدس ندیاں ہیں۔ جنوبی ہند کی مقدس ندیاں اپنی ہیں۔متھرا، بندرابن، اجودھیا، کوروکشتر بنارس اور جگن ناتھ پوری تو ہندوؤں کے اپنے محبوب مقامات ہیں لیکن گوتم بدھ کے پیروؤں کے محبوب مقام بھی ہندوستان کی زینت ہیں، بدھ گیا، سارناتھ، پاٹلی پتر، اجنٹا، ایلورا، یہ سب عظیم الشان زیارت گاہیں ہیں اور مندروں کا تو کوئی شمار ہی نہیں۔ مندروں کی تعداد کے لحاظ سے بنارس اور بھوانیشور (اُڑیسہ) سرِفہرست ہیں۔'' (۱۶)

ہندو کلچر کے روحانی عناصر میں سے بعض کی تشکیل اور ان کے مصادر پر بات کرتے ہوئے ڈاکٹر داؤد رہبر کا کہنا ہے کہ ہندومت میں فلسفے کی موشگافیاں اگرچہ بہت ہوئیں مگر اس سماج میں فلسفے کا خشک منطقی گیان جوگیوں کے وجدان اور مستانہ عرفان کو شکست نہ دے سکا۔ جدید زمانے میں اگرچہ ان معاملات پر کچھ نہ کچھ لے دے ضرور ہوئی ہے اور جدید سائنسی تعلیم سے آراستہ نوجوانوں نے مستانہ عرفان اور جوگیوں کے وجدان سے اپنا پیچھا اس طرح چھڑایا ہے کہ اس کی جگہ سائنسی تعقل نے لے لی ہے۔

اس مضمون کے آخر میں ڈاکٹر داؤد رہبر کے مطابق نے ہندومت کے کلچر کے روحانی ،فکری اور تخیلی سطح پر جدید سائنسی اور منطقی تعلیم سے جو تبدیلیاں آئی ہیں اس سے تین ہزار سالہ ہندومت کی دیومالائی تاریخ کی بنیادیں متزلزل ہو کر رہ گئی ہیں۔ وہ تبدیلیاں جو شنکر اچاریہ اور راجا موہن روئے رام جیسے پنڈت نہیں لا سکے وہ جدید عصری شعور کے باعث اس طرح وقوع پذیر ہوئی ہیں کہ ان سے کسی بھی سطح پر قرار ممکن نہیں ہے اور قرار ہوتا بھی کس طرح سے کیوں کہ ادیان عصری تقاضوں کے مطابق جزوی طور پر بدلتے رہتے ہیں۔

حوالہ جات:

(۱) ڈاکٹر جمیل جالبی، دیباچہ، **کلچر کے روحانی عناصر**، از ڈاکٹر داؤد رہبر، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور، ۲۰۱۴ء ص ۵-۶

(2) Intizar Hussain , Dr Daud Rahbar, ***His English Writings***, Compiled by Muhammad Ikram Chughtai, Co-operative Society, Lahore, Pg 445

(3) Khalid Ahmad, As above, Pg 451

(۴) محولہ بالا 1، صفحہ ۱۸

(۵) ایضاً ، صفحہ ۲۱

(۶) ڈاکٹر محمد یسین، **ہندومذہب کی جھلکیاں**، لکھنؤ: دانش محل بک سیلرز، ۱۹۴۶ء ص ۲۰

(7) Encyclopaedia Britannica,Vol 7 , Pg. 182

(8) http://www.zarbemomin.com.pk/index.php/oriya.maqbool-jaan/3

(۹) محولہ بالا 1 ، صفحہ ۶

(۱۰) ایضاً ، صفحہ ۲۱

(۱۱) محمد مظہر الدین صدیقی، **اسلام اور مذاہب عالم**، لاہور: مطبوعہ، ۱۹۵۷ء

(۱۲) **ہندومت** (حصہ اول)، خدا بخش لائبریری پٹنہ، مکتبہ جامع دہلی لمٹیڈ، ۱۹۹۳ء، صفحہ ۲۵

(۱۳) پروفیسر لیاقت عظیم، **مذاہب کا تقابلی مطالعہ**، لاہور: فاروق سنز، ۱۹۹۸ء، صفحہ ۸۰

(۱۴) محولہ بالا 1، صفحہ ۵۱

(۱۵) ابوریحان البیرونی، **ہندودھرم**، خدا بخش لائبریری پٹنہ، مکتبہ جامع دہلی لمٹیڈ، ۱۹۹۳ء، صفحہ ۹۱

(۱۶) محولا بالا، صفحہ ۴۳